مباحثه ومکالمہ

مولانا عبید اختر رحمانی*

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا نظریہ تخریج

ایک تنقیدی جائزہ-۱

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ولادت 4/شوال 1114 ہجری، وفات 29/محرم 1176 ہجری) کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ آپ نے اصلاح وتجدید کا مشعل روشن کر کے برصغیر کے مسلمانوں کے دل میں ایمان وعمل کی نئی جوت جگائی۔ جب سلطنت مغلیہ کا آفتاب لب بام تھا اور مسلمانوں کی پستی وانحطاط نوشتہ دیوار نظر آرہی تھی، ایسے نازک حالات میں آپ نے برصغیر کے مسلمانوں کو مایوسی کے اندھیارے میں امید کی نئی کرن دکھائی اور یہاں کے مسلمانوں کو قرآن وحدیث کے آب حیات وچشمہ زلال سے سیراب کیا۔ جن اختلافی مسائل پر معرکے گرم تھے، ان میں عالمانہ اور غیر جانبدارانہ نقطہ نظر پیش کیا، فقہی تنگ نظری کو ختم کر کے تمام ائمہ فقہ کے احترام کی دعوت دی اور اپنے مسلک پر تنقیدی نگاہ ڈالنے اور مخالف کے نقطہ نظر پر غیر جانبداری سے غور کرنے کی تاکید کی۔

تنقیدی نگاہ کی ضرورت:

یہ حقیقت ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے افکار وخیالات پر کام ہوا ہے، ان کی شخصیت پر کام ہوا ہے، ان کی تعریف وتوصیف پر مشتمل کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کے قرآنی، حدیثی اور فقہی خیالات کو نقل کیا گیا ہے؛ لیکن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے افکار وآراء پر تنقیدی نظر بہت کم کسی نے ڈالی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہندوستان برصغیر کی ان گنی چنی شخصیات میں شامل ہیں جنہوں نے پچھلوں کے افکار وخیالات پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے، روش عام کو قبول نہ کر کے اپنا نیا راستہ نکالا ہے، علم وتحقیق کی وادی میں آبلہ پائی کی ہے اور نشاندہی کی ہے کہ کس نے موتیوں سے دامن بھرے اور کس کے حصے میں خرف ریزے آئے۔ حضرت محدث دہلوی نے اہل علم کے لیے اجتہاد کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اس کو ضروری قرار دیتے ہوئے پچھلوں کے افکار وخیالات کا کتاب وسنت کی روشنی میں جائزہ لینے کی ترغیب دی ہے اور کسی حد تک اس پر خود بھی عمل کیا ہے۔(۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اس طرز عمل کی روشنی میں ہمارے لئے بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم بھی ان

* نگراں شعبہ تحقیق المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد (انڈیا)

کے افکار و خیالات کو علم و تحقیق کی میزان پر تولیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ان کا مقام بڑا اور بلند ہے؛ لیکن جب حضرت شاہ ولی اللہ اپنے سے بڑوں لوگوں کے افکار و خیالات پر علم و تحقیق کی روشنی میں تنقید کر سکتے ہیں تو یہ حق ان کے چھوٹوں کو بھی ملنا چاہیے کہ وہ بھی اپنے علم و تحقیق کی روشنی میں ان کے افکار و خیالات کا جائزہ لیں؛ کیونکہ تنقید اور تحقیق سے ہی کاروان علم رواں دواں ہے اور آسمان علم میں فکر و نظر کے اختلاف اور اختلاف آرا کی ضیا پاشیوں سے ہی اجالا ہے، مختصر

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن

اے ذوق! اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

تنقید اور تحقیق سے ہی پچھلوں کی غلطیاں سامنے آتی ہیں اور اگلوں کے لیے محفوظ سفر کا راستہ تیار ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جس شخصیت پر ہم قلم اٹھائیں، اس کا پورا احترام کریں، تنقید ہو، تنقیص نہ ہو، اپنی بات سلیقے سے کہی جائے، کہیں سے بھی ایسا نہ لگے کہ مضمون نگار یا محقق نے زیر بحث شخصیت کے وقار کے خلاف کوئی بات کہی ہے، اگر کسی انتہائی غلط بات پر سخت الفاظ میں تنقید بھی کرنی ہو تو بھی مناسب تعبیر کا خیال ضروری ہے کیونکہ بقول کلیم عاجز مرحوم

بات گرچہ بے سلیقہ ہو کلیم

بات کہنے کا سلیقہ چاہیے

اہل الرائے اور اہل الحدیث کا تعین:

فقہی اختلاف اور تاریخ و تراجم پر لکھی گئی کسی بھی کتاب کو اٹھا کر دیکھئے، اس میں دو طبقے ضرور ملیں گے، اہل الحدیث اور اہل الرائے، چاہے مسلک کا ذکر ہو، یا شخصیات کا، ہر جگہ آپ یہ لکھا پائیں گے کہ فلاں اہل حدیث میں سے تھا اور فلاں اہل الرائے میں سے تھا۔

رہا یہ امر کہ اہل حدیث کون ہے اور اہل الرائے کون ہے؟ یہ بحث جتنی اہم تھی، عمومی طور پر اس سے اتنی ہی غفلت برتی گئی ہے اور اس کو اتنی ہی بے توجہی کے ساتھ نظر انداز کیا گیا ہے۔ ماضی کے بیشتر علماء اور مورخین نے عمومی طور پر اس بھاری پتھر کو اٹھانے کے بجائے محض چوم کر چھوڑ دیا ہے اور اہل الرائے اور اہل الحدیث کی تقسیم اور معیار کے ضمن میں کوئی فیصلہ کن بات کہنے سے قاصر رہے۔

دکتور عبدالمجید اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> واذا استثنینا قلیلا من المحققین الذین وقفوا عند هذه العبارة محاولین الرجوع بها الی اصل اطلاقها ومسمی اهلها فان الکثرة الغالبة من المورخین کانوا یذکرونها نقلا عمن سبقهم وتقلیدا لهم دون عنایة بمعرفة حقیقة هذا الاطلاق ودون ادراك لعامل الزمن فی تطویره لهذا المصطلح بما یجعل اطلاقه غیر متساو تماما فی عصرین مختلفین (الاتجاہات الفقہیۃ عند اصحاب الحدیث فی القرن الثالث

الہجری،الناشر:مکتبۃ الخانجی،مصر.1399ھ-1979م)

''اور اگر ہم ان تھوڑے سے محققین کو مستثنیٰ کردیں جنہوں نے اس عبارت پر ٹھہر کر غور وفکر کیا اور اس کے اطلاق کی اصل تک پہنچنے کی کوشش کی اور اس کے مصداق کو معلوم کرنے کی جدوجہد کی تو اکثریت ایسے مورخین کی ہے جو اسے اپنے سے ماقبل کے مورخین سے ان کی تقلید کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں، نہ وہ اس لفظ کے اطلاق کی معرفت رکھتے ہیں نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ اس لفظ میں زمانی اعتبار سے کیا تبدیلیاں اور تغیرات واقع ہوئی ہیں جس کی وجہ سے دومختلف زمانوں میں اس کا اطلاق ایک دوسرے سے بالکل الگ ہوجاتا ہے۔''

الملل والنحل کے مولف عبدالکریم الشہرستانی (متوفی 548) نے سیدھی سادھی تقسیم یہ کی ہے کہ جو حجازی ہے، وہ اہل حدیث ہے اور جو عراقی ہے، وہ اہل الرائے ہے:

ثم المجتهدون من ائمة الامة محصورون فی صنفین لا یعدوان الی ثالث : اصحاب الحدیث، واصحاب الرای۔ اصحاب الحدیث: وهم اهل الحجاز...... اصحاب الرای: وهم اهل العراق (الملل والنحل،مؤسسۃ الحلبی،2/12)

''اس امت کے مجتہدین کی دوقسم ہے، تیسری قسم نہیں ہے، اصحاب الحدیث اور اصحاب الرائے۔اصحاب الحدیث، وہ حجاز والے ہیں اور اصحاب الرائے، وہ عراق والے ہیں۔

ان کی یہ رائے بتاتی ہے کہ اہل الرائے اور اہل الحدیث کا اختلاف فکر ونظر کا نہیں، بلکہ مقام کا اختلاف ہے۔ جو حجاز کا ہوگا، وہ اہل الحدیث،اور جو عراق (بغداد) سے ہے، وہ اہل الرائے۔ یہ رائے بالبداہت غلط ہے، کیونکہ امام احمد بن حنبل اور بہت سے محدثین کا تعلق کوفہ، بصرہ اور بغداد سے ہے، لیکن وہ اہل الرائے قطعاً نہیں ہیں اور امام ربیعہ مدینہ کے ہیں، لیکن وہ ربیعۃ الرائے کے نام سے مشہور ہیں۔

بعض دیگر مصنفین جیسے ابن خلدون ودیگر نے اہل الرائے اور اہل الحدیث کی تقسیم اس طور پر کی کہ حنفی اہل الرائے ہیں اور بقیہ مالکی، حنبلی اور شافعی اہل الحدیث ہیں، ابن خلدون لکھتے ہیں:

''اور فقہ ان دوحصوں میں بٹ گیا، ایک طریقہ تو اہل الرائے والقیاس کا تھا جو اہل عراق تھے اور ایک طریقہ اہل حدیث کا تھا، جو حجازی تھے۔ہم اوپر بیان کرآئے ہیں کہ عراقیوں کے پاس حدیث کا ذخیرہ کم تھا، اس لئے انہوں نے کثرت سے قیاس کیے اور اس میں خوب ماہر ہوگئے، اس لیے انہیں اہل الرائے کہا جانے لگا۔اہل الرائے میں سب سے پیش پیش ابوحنیفہ ہیں، جن کا اور جن کے شاگردوں کا ایک مستقل مذہب ہے، اور حجازیوں کے امام مالک بن انس اور ان کے بعد امام شافعی ہیں۔علماء کی ایک جماعت نے قیاس کو نہیں مانا اور قیاس پر عمل کو غلط ٹھہرایا، یہ فرقہ ظاہریہ کا ہے۔'' (مقدمہ تاریخ ابن خلدون، 2/ 283،ترجمہ مولانا راغب رحمانی، ناشر نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی، طبع یازدہم 2001)

ابن خلدون اور اس تقسیم کے حامیوں نے یہ سوال تشنہ چھوڑ دیا کہ شوافع، حنابلہ اور مالکیہ اہل حدیث کیوں ہیں اور حنفیہ اہل الرائے کیوں ہیں؟ بعض مصنفین بشمول شہرستانی وغیرہ نے اس سوال کا تحقیقی جواب دینے کے بجائے ایک

سطحی سا جواب دے دیا کہ ''احناف کے یہاں قیاس بہت ہے اور وہ قیاس جلی کو اخبار آحاد پر مقدم کر دیتے ہیں''۔ (الملل والنحل،۱۲/۲)

اولاً تو کثرت اور قلت ایک اضافی اور نسبتی امر ہے۔ امام احمد بن حنبل کے یہاں قیاس کم ہے اور اس کے مقابلہ میں امام شافعی اور امام مالک کے یہاں قیاس زیادہ ہے، ایسے میں امام احمد کی نسبت سے شافعیہ اور مالکیہ کو اہل الرائے کہنا چاہئے؛ لیکن ایسا نہیں کہا جاتا۔ علاوہ ازیں قلت وکثرت کی بنیاد پر کسی علمی بحث کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ دوسرے یہ الزام کہ ''احناف خبر واحد پر قیاس جلی کو مقدم کر دیتے ہیں'' علم وتحقیق کی نگاہ میں غلط ہے کیونکہ محققین احناف بشمول امام کرخی ودیگر اس کی تغلیط کر چکے ہیں۔ یہ درحقیقت عیسیٰ بن ابان رحمہ اللہ کی رائے تھی (۲) جسے بعد میں کچھ دیگر متاخرین فقہاء احناف نے پسند کیا، لیکن یہ رائے نہ امام ابوحنیفہ کی تھی، نہ صاحبین کی، نہ امام زفر کی اور نہ متقدمین فقہائے احناف کی اور اس پر تفصیلی بحث کشف الاسرار کے مصنف علامہ علاء الدین البخاری نے کی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: کشف الاسرار شرح اصول البزدوی (۳۷۸/۲)، دار الکتاب الاسلامی)

حضرت شاہ ولی اللہ اور اہل الحدیث واہل الرائے کی تعیین

اہل الرائے اور اہل الحدیث کے درمیان فرق وامتیاز پر بحث حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی اپنی کئی تصنیفات میں کی ہے اور اہل حدیث واہل الرائے کے درمیان مرکزی اختلاف کیا ہے، اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے اس معاملہ پر نئے سرے سے غور کیا اور اہل الحدیث اور اہل الرائے کے درمیان جوہری فرق اور حد فاصل بیان کرنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ دیگر تمام متقدم مورخین وتراجم وتذکرہ نگاروں سے ممتاز ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اہل الرائے اور اہل الحدیث کے درمیان فرق پر مختلف کتابوں میں اظہار خیال کیا ہے، اس میں سب سے زیادہ بنیادی حیثیت ان کی الانصاف فی بیان سبب الاختلاف کو حاصل ہے۔ پھر یہی بحث حجۃ اللہ البالغہ میں بھی موجود ہے، اس کے علاوہ مختصر انداز میں حضرت شاہ صاحب نے اہل الرائے اور اہل الحدیث کے درمیان فرق پر مسویٰ شرح مؤطا میں بھی بحث کی ہے۔ چونکہ حضرت شاہ صاحب کی اس موضوع پر مستقل اور جامع کتاب الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ہے، لہٰذا اس بحث میں شاہ صاحب کے خیالات کے تعلق سے بنیادی طور پر اسی کتاب کے مندرجات سے ہم بحث کریں گے۔

اسباب اختلاف کے قطعی اور یقینی علم کا دعویٰ:

الانصاف کے شروع میں حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے ایک عجیب وغریب دعویٰ فرمایا ہے، حضرت محدث دہلوی لکھتے ہیں:

اما بعد فیقول الفقیر الی رحمۃ اللہ الکریم ولی اللہ بن عبد الرحیم اتم اللہ

تعالیٰ علیهما نعمه فی الاولی والاخری ان الله تعالیٰ القی فی قلبی وقتا من الاوقات میزانا اعرف به سبب کل اختلاف وقع فی الملة المحمدیة علی صاحبها الصلوات والتسلیمات واعرف به ما هو الحق عند الله وعند رسوله ومکننی من ان ابین ذلک بیانا لا یبقی معه شبهة ولا اشکال (الانصاف، تحقیق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، مطبع دارالنفائس، 1986)

''بہرحال اللہ کریم کی رحمتوں کا محتاج ولی اللہ بن عبدالرحیم (اللہ دونوں کو دنیا وآخرت کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے) کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے دل میں کسی وقت ایک ایسی میزان ڈال دی جس سے میں ملت محمدیہ کے ہر واقع شدہ اختلاف کو جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک حق کیا ہے اور اللہ نے اس پر بھی مجھے قدرت دی ہے کہ اس میں ان اسباب اختلاف کو اسی طرح بیان کروں کہ کوئی شبہ اور اشکال باقی نہ رہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کا یہ دعویٰ بڑا عجیب وغریب ہے۔ اسباب اختلاف پر علماء شروع سے ہی لکھتے چلے آرہے ہیں، لیکن کسی نے بھی اس طرح کا دعویٰ نہیں کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے ممدوح علامہ ابن تیمیہ نے بھی ''رفع الملام'' کے نام سے اس موضوع پر ایک بیش قیمت کتاب لکھی ہے؛ لیکن انہوں نے بھی اس کا دعویٰ نہیں کیا کہ میں ملت کے ہر اختلاف سے واقف ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس میں اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک حق کیا ہے۔ اس دعویٰ پر شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، جنہوں نے الانصاف کو اپنی تحقیق سے طبع فرمایا ہے، نے بھی تنقید کی ہے، چنانچہ وہ حاشیہ میں لکھتے ہیں:

قول المولف.... واعرف به ماهو الحق عندالله وعند رسوله، لایعول علیه، فان علم ماهو الحق عندالله تعالیٰ وعند رسوله صلی الله علیه وسلم لایمکن الجزم به لاحد (الانصاف،ص14)

''مولف کا یہ کہنا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک حق کیا ہے، اس کو جانتا ہوں، اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس چیز کا قطعی علم کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک حق کیا ہے، اس کا دعویٰ کسی کے بھی حق میں نہیں کیا جاسکتا۔''

ایک غلط خیال کی تردید:

حضرت شاہ ولی اللہ اولاً اس غلط خیال کی تغلیط کرتے ہیں کہ یہاں صرف دو ہی فرقے ہیں، ایک اہل الرائے اور دوسرے اہل الحدیث، اور تیسرا کوئی فرقہ نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں تیسرا فرقہ موجود ہے اور وہ ظاہریوں کی جماعت ہے:

ووجدت بعضهم یزعم ان هناك فرقتین لا ثالث لهماء الظاهریة واهل الرای،

وان كل من قاس واستنبط فهو من اهل الرای، كلا بل ليس المراد بالرای نفس الفهم والعقل فان ذلك لا ينفك من احد من العلماء، ولا الرای الذی لا يعتمد علی سنة اصلا فانه لا ينتحله مسلم البتة، ولا القدرة علی الاستنباط والقياس فان احمد واسحاق بل الشافعی ايضا ليسوا من اهل الرای بالاتفاق (الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، ص93)

''بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ فقہائے اسلام کی صرف دو ہی جماعتیں ہیں، تیسرا کوئی فرقہ نہیں ہے، ایک ظاہری اور دوسرے اہل الرائے اور قیاس واستنباط سے کام لینے والے سبھی اہل الرائے ہیں۔ ایسی بات ہرگز نہیں ہے۔ رائے سے مراد صرف سمجھ اور عقل نہیں ہے کیونکہ اس سے علمائے اسلام کا کوئی فرد بھی خالی نہیں ہے اور نہ ہی رائے سے مراد یہ ہے جس میں سنت پر بالکلیہ اعتماد ہی نہ ہو، کیونکہ اس کی جانب کوئی مسلمان کبھی نہیں جا سکتا، اور نہ استنباط وقیاس کی صلاحیت ہے کیونکہ امام احمد، امام اسحاق اور امام شافعی بالاتفاق اہل الرائے میں سے نہیں ہیں۔''

میرا خیال ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ اس طرح شہرستانی کے رائے کی تردید فرما رہے ہیں جس نے امت کے ائمہ مجتہدین کو دو قسم میں محصور کیا ہے اور تیسری کسی قسم سے انکار کیا ہے۔

عہد صحابہ اور اکابر تابعین کے اختلاف کی نوعیت

حضرت شاہ ولی اللہ اولاً دور صحابہ کا حال بیان کرتے ہیں کہ ان میں اجتہاد کا طریقہ کیا تھا؟ پھر یہ بتاتے ہیں کہ فروعی مسائل میں صحابہ کرام کے درمیان اختلاف کیوں ہوا اور اس کی وجوہات کیا تھیں؟ اس کے بعد وہ دور تابعین میں آتے ہیں اور اہل مدینہ اور اہل کوفہ یا عراق کے نمائندے سعید بن المسیب اور امام ابراہیم نخعی کے فقہی اجتہاد کے طریقہ پر گفتگو کرتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ سعید بن المسیب اور ابراہیم نخعی دونوں ہی اپنے شہر کے متقدمین کبار تابعین اور صحابہ کرام کے فقہ وفتاویٰ کو اپنے لیے مشعل راہ مانتے تھے اور دیگر شہروں میں مقیم صحابہ کرام سے زیادہ لگاؤ ان کا اپنے شہر کے فقہاء صحابہ کرام سے تھا۔ جب صحابہ کرام وتابعین عظام میں کسی مسئلہ کے درمیان اختلاف ہوتا تو ہر ایک عالم (مجتہد) کے نزدیک اپنے شہر کے علماء اور مشائخ کا قول زیادہ پسندیدہ ہوتا کیونکہ وہ اس سے زیادہ واقف تھے اور جن اصولوں کی رعایت پر یہ قول مبنی تھا، اس سے زیادہ باخبر تھے اور ان کو اپنے شہر کے علماء ومشائخ سے دلی لگاؤ تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ، عثمانؓ، عائشہؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، زید بن ثابتؓ اور ان کے شاگرد مثلاً سعید بن المسیب حضرت عمر کے فیصلوں اور حضرت ابوہریرہ کی روایتوں کے بڑے حافظ تھے، یا مثلاً حضرت عروہ، سالم، عکرمہ، عطاء بن یسار، قاسم، عبیداللہ بن عبداللہ، زہری، یحییٰ بن سعید، زید بن اسلم اور ربیعہ وغیرہ حضرات کا مسلک اہل مدینہ کے لیے دیگر شہروں کے فقہاء کے مسلک سے زیادہ قابل قبول تھا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ اور اہل مدینہ کی فضیلت بیان کی

ہے اور علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ مدینہ ہر دور میں علماء اور فضلاء کا مسکن و ماویٰ رہا ہے۔ اسی باعث امام مالک اہل مدینہ کے عمل کو ایک دلیل کے طور پر تسلیم کرتے ہیں اور امام مالک کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ اہل مدینہ کے اجتماعی تعامل کو حجت مانتے ہیں۔ امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے، **باب فی الاخذ بما اتفق علیه الحرمان**، یعنی جس بات پر اہل مکہ و اہل مدینہ دونوں کا اتفاق ہو، اسی کو اختیار کرنے کا بیان۔

شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے اصحاب کا مذہب، حضرت علی، شریح اور شعبی کے فیصلے اور ابراہیم نخعی کے فتاویٰ جات کوفہ والوں کی نظر میں دیگر شہروں کے فقہاء و علماء کے اقوال کی بہ نسبت زیادہ قابل ترجیح ہیں، اسی باعث جب حضرت مسروق، حضرت زید بن ثابت کے قول کی طرف مسئلہ تشریک میں مائل ہوئے تو حضرت علقمہ نے ان سے کہا ’’کیا کوئی عبداللہ بن مسعود سے بھی زیادہ قابل وثوق ہے؟‘‘ حضرت مسروق نے جواب دیا کہ ایسی بات تو نہیں ہے، لیکن میں نے زید بن ثابت اور اہل مدینہ کو تشریک (زمین بٹائی پر کاشت کے لیے دینا) پر عمل کرتے دیکھا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ کسی شہر کے فقہا اور مشائخ جس قول پر متفق ہو جاتے، اس پر یہ مجتہدین مضبوطی سے جم جاتے اور امام مالک کا یہ فرمان اسی قبیل سے ہے کہ جس سنت کے بارے میں اہل مدینہ میں اختلاف نہیں ہے، وہی ہمارے نزدیک قابل وثوق ہے۔ اور اگر شہر کے علماء و مشائخ میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو جو رائے دلیل کے اعتبار سے قوی اور قابل ترجیح ہوتی، اس کو اپناتے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ غور کرتے کہ کس قول کی جانب علماء و فقہاء کی اکثریت ہے، کس قول کی بنیاد قیاس پر ہے اور اور کس قول کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے۔ امام مالک کا یہ قول بھی اسی قبیل سے ہے کہ ’’یہ جو میں نے سنا ہے، سب سے اچھی بات ہے‘‘۔ پھر جب یہ فقہاء اپنے شہر کے صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار میں پیش آمدہ مسئلہ کا حل نہ پاتے تو ان کے کلام سے استنباط مسائل کرتے اور ان کے اشارات و مقتضیات کی پوری تلاش کرتے۔ (الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ص 38)

اہل الرائے اور اہل الحدیث کے استنباط واجتہاد کی نوعیت

اہل حدیث اور اہل الرائے کی تاریخ حضرت شاہ ولی اللہ تابعین عظام سے شروع کرتے ہیں۔ ایک جانب وہ سعید بن المسیب کو اہل حرمین کا نمائندہ بتاتے ہیں، دوسری جانب وہ ابراہیم نخعی کو اہل کوفہ و عراق کا نمائندہ بتاتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ ایک گروہ تو ایسا تھا جس کو ہر مسئلہ میں احادیث رسول کی تلاش و جستجو تھی، اس غرض سے وہ شہروں شہروں ملکوں ملکوں مارے پھرتے رہے۔ جہاں کہیں بھی حدیث رسول یا آثار صحابہ کا سراغ پایا، وہاں جا کر اس حدیث کو حاصل کیا اور اس طرح ان کے پاس ہر مسئلہ کے جواب میں یا تو حدیث رسول یا قول صحابی یا تابعین عظام میں سے کسی ایک کا قول فراہم ہو گیا اور احادیث و آثار کے وسیع ذخیرہ کی بنیاد پر انہوں نے اپنی فقہ کی تدوین احادیث و آثار پر رکھی۔ حضرت محدث دہلوی لکھتے ہیں:

’’حاصل کلام یہ کہ جب انہوں نے فقہ کو ان قواعد کے مطابق تیار کر لیا تو فقہی مسائل میں سے کوئی مسئلہ جس پر متقدمین علماء نے اپنی رائے دی ہو، اور جو ان کے زمانہ میں واقع ہوا ہو، کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جس میں

انہوں نے حدیث مرفوع، متصل اور مرسل، موقوف، صحیح، حسن اور اعتبار کے لیے صالح سند سے نہ پائی ہو، یا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما یا دیگر خلفائے راشدین اور شہروں کے قاضی اور فقہاء کا کوئی اثر نہ پایا ہو یا انہوں نے ان احادیث وآثار کے عموم، اشارہ یا اقتضاء سے استنباط نہ کیا، تو اس طور پر اللہ نے ان کے لیے سنت پر عمل کرنا آسان کر دیا۔'' (الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، ص54)

دوسرا گروہ وہ تھا جسے احادیث رسول بیان کرنے میں تو ڈر لگتا تھا لیکن وہ رائے سے جواب دینے اور فتوی کے اظہار میں ہچکچاتے نہیں تھے:

''اور ان کے بالمقابل مالک، سفیان اور ان کے بعد کے دور میں ایک ایسا گروہ تھا جسے مسائل کے بیان کرنے اور فتویٰ دینے میں کوئی باک نہیں تھا اور ان کا کہنا یہ تھا کہ فقہ پر ہی دین کی بنیاد ہے، لہٰذا اس کی اشاعت ہونی چاہیے اور وہ لوگ رسول اللہ سے روایت کرنے اور کسی کی نسبت آپ کی جانب کرنے میں بڑے محتاط تھے۔ شعبی کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد والوں تک اکتفاء کرنا ہمیں زیادہ پسند ہے، کیونکہ اگر خدانخواستہ کچھ کمی بیشی ہوئی بھی تو صحابہ کے تعلق سے ہوگی اور ابراہیم کہتے ہیں کہ میں کہوں ''عبداللہ نے کہا''، ''علقمہ نے کہا''، یہ مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں کہوں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔'' (الانصاف، ص57)

حضرت محدث دہلویؒ آگے چل کر ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ الحدیث کے بالمقابل حضرات (جس کو آگے چل کر حضرت شاہ ولی اللہ اہل الرائے سے یاد کریں گے، یہاں پر انہوں نے قوم سے یاد کیا ہے) کو فتوی دینے اور مسئلہ کے استنباط میں گہری دلچسپی تھی، احادیث کا سرمایہ ان کے پاس نہیں تھا جس کی وجہ سے وہ احادیث وآثار پر مسائل کی بنیاد رکھ سکیں، لہٰذا اس گروہ نے تخریج کی بنیاد پر مسائل کا استنباط کیا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اس طرح سے (اہل الرائے) کے احادیث سے فقہ ومسائل کی ضرورت دوسرے طریقہ سے پوری ہوئی اور ایسا اس لئے ہوا کہ ان کے پاس احادیث وآثار کا اتنا سرمایہ نہیں تھا جس کی وجہ سے وہ ان اصول پر فقہ کا استنباط کرتے جن پر اہل الحدیث نے اپنے فقہ کی بنیاد رکھی ہے اور ان کا یہ ماننا تھا کہ ان کے ائمہ تحقیق کے بلند مرتبہ کے حامل ہیں اور ان کے دل بھی اپنے مشائخ کی جانب زیادہ مائل تھے جیسا کہ علقمہ نے کہا: کیا کوئی ان میں عبداللہ بن مسعود سے بھی زیادہ پختہ نظر رکھتا ہے اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: ابراہیم، سالم سے بڑے فقیہ ہیں اور اگر شرف صحبت کا لحاظ نہ ہوتا میں کہتا کہ علقمہ، ابن عمر سے بڑے فقیہ ہیں۔ اور ان کو ایسی ذہانت اور زور فہمی عطا ہوئی تھی اور ان کا ذہن ایک بات کی نظیر سے دوسری بات کی نظیر کی جانب بڑی تیزی سے منتقل ہوتا تھا۔ ان صلاحیتوں کے ذریعے وہ مسائل کا جواب اپنے مشائخ کے اقوال پر تخریج کر کے دیا کرتے تھے اور ہر ایک کے لیے اپنی خلقت کے لحاظ سے کام آسان ہوجایا کرتا ہے (ہر کسے را بہر کارے ساختند)۔ اس طرح فقہ کی تدوین تخریج کی بنیاد پر عمل میں آئی۔'' (الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ص57-58)

تخریج کی وضاحت:

اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ ہمیں بتاتے ہیں کہ تخریج کیا ہے اور کس طرح کام میں لایا جاتا ہے، چنانچہ وہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہر ایک اپنی جماعت کے ترجمان اور مشائخ کے اقوال کی سب سے زیادہ پرکھ رکھنے والے اور ترجیح میں صائب نظر والے کی کتاب یاد کرلے اور ہر مسئلہ میں غور کرے کہ حکم کی وجہ کیا ہے توجب بھی کسی پیش آمدہ مسئلہ کے بارے میں سوال ہو یا کوئی ضرورت آن پڑے تو اولاً اپنے مشائخ کے اقوال جو اس کو یاد ہیں، اس میں غور کرے، اگر اس میں جواب مل جائے تو بہتر ورنہ ان کے کلام کے عموم کا جائزہ لے اور اسی عموم میں پیش آمدہ مسئلہ کو منطبق کرے یا ان کے کلام میں کسی ضمنی اشارہ کا علم ہو تو اس سے استنباط کرے اور بسا اوقات کلا میں ایسے اشارات اور تقاضے ہوتے ہیں، جس سے مقصود کو سمجھا جا سکتا ہے۔

بسا اوقات تصریح کردہ مسئلہ کی کوئی نظیر موجود ہوتی ہے جس پر زیر بحث مسئلہ کو محمول کیا جاتا ہے اور بسا اوقات وہ صریح حکم کی علت میں تخریج یا سبر (۳) (مماثلت) اور حذف (درگزر) کے ذریعہ غور کرتے ہیں اور اس کی علت کو غیر مصرح مسئلہ پر منطبق کرتے ہیں اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے ان کے ایک ہی مسئلہ میں دو قول ہوتے ہیں۔ اگر ان کو قیاس اقترانی (۴) یا قیاس شرطی (۵) کے طرز ترتیب دیا جائے تو اس سے مسئلہ کا جواب معلوم ہو جاتا ہے۔

کبھی تخریج اس طور پر ہوتی ہے کہ ان شیوخ کے اقوال میں کوئی بات مثال یا اصل مسئلہ کی ایک قسم کے طور پر ہوتی ہے؛ لیکن تعریف کے لحاظ سے وہ جامع مانع نہیں ہوتی تو وہ اس سلسلے میں اہل زبان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس مسئلہ کی ذاتیات (خصوصیات) حاصل کرتے ہیں، جامع مانع کی تعریف، مبہم کی نشاندہی اور مشکل کی تمیز بہم پہنچاتے ہیں۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ان کے کلام میں دو پہلوؤں کا احتمال ہوتا ہے تو وہ کسی ایک پہلو کو ترجیح دینے میں غور وفکر کرتے ہیں، کبھی دلائل ومسائل کے درمیان جو پردہ پڑا ہے اس کی نقاب کشائی کرتے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصحاب تخریج اپنے ائمہ کے سکوت، یا فعل یا اسی طرح کی کسی دوسری بات سے استدلال کرتے ہیں اور یہ سب (جو کچھ بیان ہوا) تخریج ہی ہے۔'' (الانصاف، ص 61)

اہل الرائے سے مراد احناف ہیں

ماقبل میں آپ نے پڑھا کہ یہاں تین گروہ ہیں، اہل الرائے، اہل الحدیث اور ظاہریہ، ظاہریہ سے پوری کتاب میں کوئی بحث نہیں کی گئی، بحث صرف اہل الحدیث اور اہل الرائے سے ہے۔ حضرت شاہ صاحب جب بتاتے ہیں کہ اہل الحدیث کے بالمقابل ایک گروہ وہ تھا جو اپنے مشائخ کے اقوال میں تخریج کرکے پیش آمدہ مسئلہ کا جواب دیتا تھا تو یہ بات متعین ہوگئی تھی کہ وہ اہل الرائے کا ہی بیان کررہے ہیں کہ اہل الرائے کا کام تخریج کا ہے؛ آگے چل کر حضرت

شاہ ولی اللہ پوری صراحت اور وضاحت سے کہتے ہیں کہ اہل الرائے کا ہی کام تخریج کا ہے:

المراد من اهل الرای قوم توجهوا بعد المسائل المجمع عليها بين المسلمين او بين جمهورهم الى التخريج على اصل رجل من المتقدمين وكان اكثر امرهم حمل النظير على النظير والرد الى اصل من الاصول دون تتبع الاحاديث والآثار (الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، ص93)

''اہل الرائے سے مراد ایسا گروہ ہے جنہوں نے مسلمانوں میں متفق علیہ مسائل ایسے مسائل جن پر جمہور متفق تھے، متقدمین میں سے کسی ایک شخص کی رائے پر تخریج کی اور ان کے کام کا زیادہ حصہ نظیر پر نظیر کو حمل کرنا، یا فروع کو اصول میں سے کسی اصل کی جانب لوٹانے کا تھا، احادیث اور آثار کی تلاش وجستجو کیے بغیر۔''

اہل الحدیث اور اہل الرائے کے درمیان فرق تخریج کا ہے، یہ نظریہ شاہ ولی اللہ نے انصاف کے دیگر مقامات اور حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ میں بھی دوہرایا ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ شاہ ولی اللہ کا یہ نظریہ تخریج بعد کے فقہاء احناف کے لیے ہو جس کو کہ اصحاب تخریج اور اصحاب المذاہب سے فقہ حنفی میں یاد کیا گیا ہے، بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ اس تخریج کا اطلاق امام ابوحنیفہ پر بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وكان ابو حنيفة رضى الله عنه الزمهم بمذهب ابراهيم واقرانه لا يجاوزه الا ما شاء الله وكان عظيم الشان فى التخريج على مذهبه دقيق النظر فى وجوه التخريجات مقبلا على الفروع اتم اقبال وان شئت ان تعلم حقيقة ما قلنا فلخص قول ابراهيم من كتاب الآثار لمحمد رحمه الله وجامع عبد الرزاق ومصنف ابى بكر بن ابى شيبة ثم قايسه بمذهبه تجده لا يفارق تلك المحجة الا فى مواضع يسيرة وهو فى تلك اليسيرة ايضا لا يخرج عما ذهب اليه فقهاء الكوفة (الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، ص39)

''امام ابوحنیفہ، حضرت ابراہیم نخعی اور ان کے ہم عصروں کو مسلک کو سب سے زیادہ مضبوطی سے پکڑنے والے تھے، کبھی کبھار ہی اس سے تجاوز کرتے تھے، ابراہیم کے مذہب پر تخریج کرنے میں آپ کو بڑی مہارت تھی، تخریجات کی مختلف صورتوں آپ نہایت باریک بین تھے، فروعات میں پوری توجہ تھی۔ اگر تم میری باتوں کی حقیقت جاننا چاہتے ہو تو ابراہیم نخعی کے اقوال کو کتاب الآثار سے منتخب کرو اور جامع عبدالرزاق سے اور مصنف ابن ابی شیبہ سے، پھر اس کا موازنہ امام ابوحنیفہ کے مذہب سے کرو، تم پاؤ گے کہ وہ اس ڈگر سے بہت کم ہٹے ہیں اور اس تھوڑے میں بھی وہ دیگر فقہائے کوفہ کے اقوال سے باہر نہیں نکلے ہیں۔''

یہی بات حضرت شاہ ولی اللہ نے صاحبین کے بارے میں بھی کہی ہے:

''اور وہ دونوں یعنی ابو یوسف اور محمد بھی ہمیشہ بقدر استطاعت ابراہیم نخعی کے طریقہ پر گامزن رہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا شیوہ تھا۔ امام ابوحنیفہ سے صاحبین کا اختلاف دو امور میں تھا۔ یا تو امام ابوحنیفہ کی ابراہیم کے

مذہب پر کوئی تخریج ہو جس سے یہ دونوں متفق نہ ہوں، یا پھر ابراہیم اور ان کے معاصرین کے ایک مسئلہ میں مختلف اقوال ہوں اور یہ دونوں اس میں امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی ترجیح میں اختلاف کریں (یعنی امام ابوحنیفہ مختلف اقوال میں سے کسی ایک کو ترجیح دیں اور یہ دونوں کسی دوسرے کو)۔'' (الانصاف ص40)

اب تک کی بحث کا خلاصہ یہ ہے:

ا: امت میں اگرچہ تین گروہ ہیں لیکن زیر بحث کتاب میں دو ہی گروہ سے بحث ہے، ایک اہل الحدیث اور دوسرا اہل الرائے۔

۲: اہل حدیث حضرات نے حدیث و آثار کی تلاش میں ملکوں اور شہروں کی خاک چھانی اور اس طرح ان کے پاس احادیث کا بڑا ذخیرہ ہو گیا اور ہر قسم کے مسئلہ کے جواب کے لیے ان کے پاس حدیث رسول، آثار صحابہ و تابعین عظام میں سے کوئی قول موجود رہا۔

۳: دوسرا گروہ ان کا تھا جو احادیث کی تلاش میں شہروں کی خاک نہیں چھان سکتے تھے، ان کے پاس احادیث کا سرمایہ کم تھا، مسائل کے جواب دینے میں انہوں کوئی جھجک یا ہچکچاہٹ نہیں تھی، انہوں نے اپنے مشائخ اور اساتذہ کے اقوال پر تخریج کر کے پیش آمدہ مسائل کا جواب دیا۔

۴: تخریج کرنے والا گروہ اہل الرائے کا تھا۔

۵: امام ابوحنیفہ اور صاحبین اہل الرائے ہیں۔

۶: ان کا بھی کام یہی تھا کہ وہ ابراہیم اور ان کے ہم عصر کوفی فقہاء کے اقوال پر تخریج کے پیش آمدہ مسائل کا جواب دیں۔

نظریہ تخریج پر تنقید کرنے والے ایک نگاہ میں

حضرت شاہ ولی اللہ کا نظریہ تخریج ایک نیا نظریہ ہے۔ میرے علم کی حد تک ان سے قبل کسی بھی اہل علم نے اہل الرائے کا امتیازی وصف ''تخریج'' نہیں بتایا ہے اور نہ ہی کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اہل الرای اور اہل الحدیث کے درمیان جوہری فرق تخریج کا ہے۔ میرے علم و مطالعہ کی حد تک برصغیر کے کسی عالم نے نظریہ تخریج پر تنقید نہیں کی ہے، البتہ عرب علماء میں سے شیخ ابوزہرہ نے **ابوحنیفة: حیاته وعصره وآراه وفقهه** میں اور شیخ عبدالمجید محمود عبدالمجید نے **الاتجاهات الفقهية** میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے نظریہ تخریج پر تنقید کی ہے۔ ان دونوں کے علاوہ علامہ زاہد الکوثری (۶) نے بھی شاہ ولی اللہ پر تنقید کی ہے لیکن اس کی حیثیت نظریہ تخریج پر تنقید کی نہیں بلکہ عمومی نوعیت کی ہے اور حسب معمول سخت لفظوں میں تنقید کی ہے۔

حواشی

1۔ وصیت نامہ، مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ، ص: ۵۲۷، یہ وصیت نامہ درحقیقت تفہیمات الٰہیہ کے آخر میں شامل ایک چھوٹا

ساجز ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں: ''اور فقہ کی جزئیات وتفریعات کو ہمیشہ کتاب وسنت کے روبرو پیش کریں، جو ان کے موافق ہو، اسے قبول کریں اور جو نہ ہو، اسے مسترد کر دیں''۔

2۔ حضرت عیسیٰ بن ابان کی رائے بھی مطلقاً یہ نہیں ہے کہ قیاس کے سامنے خبر واحد کو رد کر دیا جائے بلکہ ان کی رائے تین چار شرطوں کے ساتھ مقید ہے۔ (دیکھیں سہ ماہی بحث ونظر کا شمارہ نمبر ۷/۱۷، جنوری تا مارچ، ص ۱۹ تا ۴۶) عملی لحاظ سے دیکھیں تو یہ اختلاف محض لفظی بن کر رہ جاتا ہے، عیسیٰ بن ابان کی شرائط یہ ہیں: 1: راوی فقہ اور اجتہاد میں معروف نہ ہو، 2: اس مفہوم کی تائید کرنے والی دیگر روایات نہ ہو، 3: صحابہ اور تابعین نے مذکورہ راوی کی دیگر روایات پر انکار کیا یا پھر زیر بحث خبر پر اعتراض کیا ہو، 4: دیگر مجتہدین صحابہ کرام اور تابعین نے اس پر عمل نہ کیا ہو۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: الفصول فی الاصول، امام جصاص رازی یا پھر اصول السرخسی)

3۔ ایک صطلاحی لفظ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اصل کے تمام اوصاف اس فرع پر منطبق کیا جائے، جس کو اصل پر قیاس کیا جار ہا ہے اور اس وصف کو لے کر جو اصل اور فرع میں مشترک ہے باقی سے صرف نظر کر لیا جائے تا کہ حکم کی علت متعین ہو جائے۔

4۔ قیاس اقترانی منطق کی اصطلاح میں اس قیاس کو کہتے ہیں جس کے مقدمات صغریٰ وکبریٰ میں نتیجہ یا اس کی نقیض بعینہ موجود نہ ہو بلکہ دلیل سے نتیجہ برآمد ہوتا ہو، یعنی وہ دلیل مشتمل بر نتیجہ نہیں بلکہ مقترن بالنتیجہ ہو، مثلاً عالم متغیر ہے اور ہر متغیر حادث ہے، لہٰذا عالم حادث ہے، یہ نتیجہ اس دلیل سے نکلتا ہے۔

5۔ قیاس شرطی وہ ہے جس کے دونوں مقدمے شرطیہ ہوں یعنی جس میں کسی چیز کیلئے کسی دوسری چیز کے ثبوت یا عدم ثبوت کا حکم لگایا گیا ہو، اس قیاس میں نتیجہ بعینہ موجود ہوتا ہے مثلاً کوئی کہے کہ اگر تم جھوٹ بولے تو تم ذلیل ہو گے، لیکن جھوٹ نہ بولے تو ذلیل نہ ہو گے (یہ نتیجہ خود قیاس کے مقدمات یعنی صغریٰ وکبریٰ میں بعینہ موجود ہے، اسے شرطی اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں جملہ شرطیہ ہوتا ہے۔ (فقہی اختلافات کی اصلیت، ترجمہ الانصاف ص 68)

6۔ شیخ زاہد الکوثری سلطنت عثمانیہ کے نائب شیخ الاسلام تھے، مصطفیٰ کمال کے انقلاب کے بعد انہوں نے ترکی سے ہجرت کی اور مصر آکر بسے۔ علم کی گہرائی، گیرائی اور وسعت مطالعہ میں وہ علامہ کشمیری کے مثل تھے، اسی کے ساتھ نادر مخطوطات کے معلومات، خوف خدا اور تدین میں بھی اپنی نظیر آپ تھے، جس کی مثال شیخ ابوزہرہ نے ان کے حوالہ سے اپنے تاثراتی مضمون میں پیش کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بڑے ناقد تھے۔ ان کی زندگی کا ایک وصف شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے ملتا جلتا ہے، ابن تیمیہ کے بارے میں ذہبی نے لکھا ہے کہ علماء ان کے علم کے معترف تھے لیکن ان کی شدت اور سخت کلامی سے نالاں تھے، بعینہ یہی بات ان کے تعلق سے کہی جاسکتی ہے کہ ان کا علم وفضل اپنوں کو تو چھوڑیے، مخالفین تک میں مسلم تھا۔ معلّمی، البانی جیسے انتہائی شدید مخالفین نے ان کی علمی عظمت کا اعتراف کیا ہے، مگر ان کی سخت کلامی کی وجہ سے بات بگڑتی چلی گئی اور تانیب الخطیب میں بعض ائمہ پر سخت کلامی کی وجہ سے ان کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کتنا سچا ہے کہ اللہ نرمی پر جو دیتا ہے، وہ سختی پر نہیں دیتا۔

(جاری)